OPEN ACCESS
AL-EHSAN
ISSN(E) 2788-4058
ISSN(P) 2410-1834
www.alehsan.gcuf.edu.pk
PP: 27-50

اخلاق حسنہ حکایت مثنوی کی روشنی میں: تحقیقی جائزہ

Good Courtesy in the Light of Hikayat-e-Masnavi

(A Research Review)

Dr. Hafiz Muhammad Idrees Al-Azhari

Research Scholar, Al-Mahad Al-Islami Denmark

Muhammad Abu Bakar

Librarian, Al-Mahad Al-Islami Denmark

Abstract

Islam is a natural religion based on high values and virtues. A complete system for the training of the individual, and the welfare of the society emerges from the study of the Qur'an and Sunnah. The Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) gave an exemplary training to the Companions, by which they became a group with an exemplary character and behavior in the history of the world. Each of them has shone as a model of Islamic guidance. Moral teachings of Aftab-i-Resalat taught Arabs and non-Arabs the lofty morals that gave humanity the highest consciousness of a purposeful life. The Sufis played the most important role in the development of the moral teachings of the Crown Prince of the Universe .Maulana Rum is one of the imams of Sufism who have the status of sources of spirituality. He wrote a book called "Musnawi Manawi" full of important mysteries and symbols, which is still used by the world from East to West. The present study has reviewed the same to highlight the moral conduct and good courtesy.

Keywords: Behavior, Morals, Sufism, Musnawi Manawi, Maulana Rum

اسلام ایک فطری دین ہے جس کی بنیادیں اعلیٰ قدروں اور اوصاف حمیدہ پر رکھی گئی ہیں۔
قرآن و سنت کے مطالعہ سے فرد کی تربیت اور معاشرے کی فلاح کا ایک مکمل نظام سامنے آتا ہے۔
حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک مثالی تربیت کی جس سے یہ جماعت ان اعلیٰ اخلاقی

معیارات سے مزین ہو کر تاریخ عالم میں سے مثالی سیرت و کردار کی حامل جماعت بن گئی۔ ان میں سے ہر ایک اسلامی ہدایت کا نمونہ بن کر چمکا ہے۔ آفتابِ رسالت کی اخلاقی ضوفشانیوں نے عرب و عجم کو وہ بلند و پایہ اخلاق سکھائے کہ جس سے انسانیت کو ایک بامقصد زندگی کا اعلیٰ ترین شعور نصیب ہوا۔ تاجدار کائنات ﷺ کی اخلاقی تعلیمات کے فروغ میں سب سے اہم کردار صوفیاء کرام نے ادا کیا۔ جن ائمہ تصوف کو اخلاقیات کے باب میں مصادر کی حیثیت حاصل ہے ان میں سے ایک ہستی مولانا روم کی ہے۔ آپ نے ''مثنوی معنوی'' کے نام سے مایہ ناز اسرار و رموز سے لبریز کتاب لکھی جس سے آج بھی دنیا شرق سے غرب تک استفادہ کرتی ہے۔ مقالہ ھذا میں ''مثنوی معنوی'' میں بیان کردہ حکایت کی روشنی میں اخلاق حسنہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مولانا روم

حضرت مولانا جلال الدین محمد رومیؒ (1207۔1273ء) تاریخ اسلام کی نامور علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آپ کا شمار ممتاز صوفیائے عظام میں ہوتا ہے۔ آپ کی سوانح حیات، صوفیانہ تعلیمات اور سلسلہ مولویہ نے دنیائے اسلام بالخصوص ترکیہ، ایران، افغانستان اور برصغیر پاک وہند پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ مولانا کی تصانیف میں ''مثنوی معنوی'' کو ''بزبان فارسی قرآن'' کہا گیا ہے۔ صوفیانہ ادب میں اس کا مقابلہ نہیں۔

آپ کا نام محمد 'لقب جلال الدین اور عرف مولائے روم ہے۔ آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کی ولادت 604ھ میں بلخ کے مقام پر ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ بہاؤالدینؒ سے حاصل کی۔ آپ کے والد گرامی علم و فضل میں یکتائے روزگار شمار کئے جاتے تھے۔ خراسان کے تمام دور دراز مقامات سے لوگ استفتاء کے لئے ان سے رجوع کرتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ صبح سے دوپہر تک علوم فنون کا درس ہوتا۔ ظہر کے بعد حقائق و اسرار بیان کرتے۔ پیر اور جمعہ کا روز وعظ کے لئے خاص تھا۔[(1)]

مثنوی معنوی

مثنوی مولانا رومؒ کو دنیائے تصوف میں جو بے مثال مقام حاصل ہے اور وہ ارباب فکر و نظر سے مخفی نہیں۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے بے شمار ترجمے اور شرحیں لکھی جا چکی ہیں اور سینکڑوں سال سے اس کے جذب و گداز اور تاثیر نے دلوں کو مسخر کر رکھا ہے۔ مولانا رومؒ سراپا عشق تھے اور ان

کے کلام میں اوّل تا آخر عشق کا ہی پیغام ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر انسان کا دل عشق سے خالی ہے وہ انسان نہیں پتھر کا بُت ہے اور اگر کوئی قوم عشق سے تہی دامن ہے تو وہ محض راکھ کا ڈھیر ہے۔ انہوں نے اپنے پیغام کو حکایتوں اور تمثیلوں کے پیرائے میں اس خوبی سے سمویا ہے کہ اہل دل پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ تصوف اور اخلاق و نفسیات کے دقیق مسائل اور اسرار و رموز کا ایک دریا ہے کہ امڈا چلا آتا ہے۔

تصوف و سلوک اور تربیت نفس میں جو مقام مولانا کی مثنوی کو نصیب ہوا وہ بہت کم کتب کے حصہ میں آیا۔ اس کتاب کو مثنوی معنوی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں عالم معنی اور احوال باطنی کے اسرار و معارف کا تذکرہ ہے۔ ملا جامیؒ نے اسے پہلوی زبان (فارسی) میں قرآن کہا۔ ملا جامی کا یہ تبصرہ اتنا مقبول ہوا کہ آج مثنوی کے ہر چھپنے والے نسخہ پر لکھا ہوتا ہے۔

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبانِ پہلوی[2]

مولانا سے پہلے مسائل تصوف اور اسرار و معارف پر حکیم سنائی کی حدیقہ' سلطان ابو سعید ابوالخیر کی رباعیات اور خواجہ فرید الدین عطار کی ''منطق الطیر'' لکھی جا چکی تھیں لیکن جو مقبولیت مولانا کی مثنوی کے حصہ میں آئی وہ کسی کو نصیب نہ ہوئی۔

علامہ شبلیؒ سوانح مولانا رومؒ میں لکھتے ہیں:

> ''فارسی زبان میں جس قدر کتابیں نظم یا نثر میں لکھی گئی ہیں کسی ایسے دقیق، نازک اور عظیم الشان مسائل اور اسرار نہیں مل سکتے جو مثنوی میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ فارسی پر موقوف نہیں اس قسم کے نکات اور دقائق کا عربی تصنیفات میں بھی مشکل سے پتہ لگتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر علماء اور ارباب فن نے مثنوی کی طرف تمام اور کتابوں کی نسبت زیادہ توجہ کی اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ (مصرعہ) ہست قرآن اور زبان پہلوی تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔''[3]

مولانا روم کی مثنوی، جو کہ چھ دفتروں پر مشتمل ہے اپنے اندر تمام ضروری اسلامی علوم کو سموئے ہوئے ہے۔ اس میں کوئی شعبہ حیات یا علم موجودات ایسا نہیں جس پر آپ نے کلام نہیں کیا ہو۔ اگر ان موضوعات کی فہرست مرتب کی جائے جن پر مولانا نے سخن بندی کی ہے تو ان کی فہرست طویل ہو جائے گی۔ ان موضوعات میں چند ایک یہ ہیں:

نفس، روح، عقل، اخلاق، صفات باری تعالیٰ، نبوت، وحی، معجزہ، مبدأ و معاد، جبر، قدر، شریعت، طریقت، حقیقت، فلسفہ، سائنس، تجاذبِ اجسام، تجددِ امثال (جسم حیوانی کے اجزاء کا جلد فنا ہو

جانا اور ان کی جگہ فوراً اتنے اجزاء کا پیدا ہو جانا جس کی وجہ سے انسان ہر دم تازہ دم رہتا ہے) اور ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے۔

اخلاق کا لغوی معنی

اخلاق خلق کی جمع، عادتیں، خصائل، انسانیت، ملنسار، مروت، ملنے جلنے کا مذہب، طریقہ۔ وہ علم جس میں تہذیب نفس، تدبیر منزل اور سیاست ملکی کے اصول بیان کئے جاتے ہیں اخلاقیات وہ باتیں جو اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں۔(4)

صاحب المنجد اخلاق کے معنی میں لکھتے ہیں اخلاق: علم الاخلاق، حکمت عملیہ کی ایک قسم کا نام جس کو حکمتِ خلقیہ بھی کہتے ہیں اخلاق خُلُق کی جمع ہے جس کے معنی ہیں عادت، طبیعت، مروت۔(5)

خَلق اور خُلق دو لفظ ہیں جو اکھٹے استعمال کئے جاتے ہیں خَلق کے معنی ظاہری شکل و صورت کے ہیں جسے حُسنِ صورت کہا جاتا ہے جبکہ خُلق باطنی اور داخلی و نفسانی شکل و صورت کے معنیٰ ہیں جسے حُسنِ سیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خُلق انسان کے اس نفسانی ملکہ کو کہا جاتا ہے جو اس بات کا سبب بنتا ہے کہ انسان بغیر فکر و تامل اور غور و خوض کے خاص افعال انجام دے یعنی نفسانی کنٹرول کے ذریعے بہترین کام انجام دینے کو خُلق کہا جاتا ہے۔

اَخلاق کی اصطلاحی تعریف

اصطلاحاً اخلاق سے مراد وہ اوصاف ہیں جو کسی کی فطرت و طبیعت کا اس طرح لازمی جزو بن جائیں کہ زیادہ غور و فکر کے بغیر روزمرہ کی زندگی میں ان کا ظہور ہوتا ہو۔(6)

نفس کی وہ حالت راسخہ جس سے اچھے یا برے افعال صادر ہوں بغیر کسی غور و فکر کے۔ یعنی اچھائی یا برائی کی وہ عادت جو آدمی کے اندر راسخ ہو چکی ہو اور قصد و بلا قصد اس کا صدور ہوتا رہتا ہو۔ یا اس کو یوں سمجھیں کہ آدمی کہ طبیعت میں جو بات بیٹھ چکی ہو اور بلا تکلف اس کا صدور ہوتا ہو وہ اخلاق ہے تو جو خوش خلق ہو اس سے خوش خلقی ہی کا صدور ہو گا ایسے ہی جو بد خلق ہو اس سے بد خلقی ہی صادر ہو گی مگر یہ کہ اسے اخلاق حسنہ کے اظہار کے لیے تکلیف اٹھانی پڑے تب اچھی بات کہہ سکے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:

> ”خوش خلقی سے مراد دوسروں سے خوش اسلوبی سے ملنا اور دوسروں کو ایذا رسانی سے بچانا ہے۔“(7)

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا! اخلاق کی دو اقسام ہیں: ایک اللہ کے ساتھ اخلاق اور دوسرا مخلوق کے ساتھ اخلاق۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاق یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو اور مخلوق کے ساتھ اخلاق یہ ہے کہ مخلوق کی طرف سے اس کو جو بھی دکھ، رنج، غم، پریشانی لاحق ہو اللہ کی رضا کے لئے اس کو برداشت کرے۔ دل میں ریت کے ذرّے کے برابر بھی ملال و پریشانی نہ ہو۔[8] "حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا! خلق انسان کی اس کیفیت کا نام ہے جو اس کی طبیعت کے مختلف اوصاف و کمالات کو جدوجہد کر کے اپنی طرف راغب کرے۔[9] ڈاکٹر محمد طاہر القادری لکھتے ہیں:

"حسنِ خلق سے مراد اچھی عادات ہیں جن کو اپنا کر بندہ خدائی بارگاہ میں مقرب بن جاتا ہے۔"[10]

اخلاق ان صفات اور افعال کو کہا جاتا ہے جو انسان کی زندگی میں اس قدر رچ بس جاتے ہیں کہ غیر ارادی طور پر ظہور پذیر ہونے لگتے ہیں۔ بہادر، فطری طور پر میدان کی طرف بڑھنے لگتا ہے اور بزدل، طبیعی انداز سے پرچھائیوں سے ڈرنے لگتا ہے۔ کریم کا ہاتھ خود بخود جیب کی طرف بڑھ جاتا ہے اور بخیل کے چہرے ہر سائل کی صورت دیکھ کر ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں۔

اخلاق از روئے قرآن

قرآن مجید کی اکثر آیات مبارکہ میں حسنِ خلق کی تعلیم دی گئی ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

"اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَ وَّلِيْنَ "[11]

(یہ (اور) کچھ نہیں مگر صرف پہلے لوگوں کی عادات (واطوار) ہیں (جنہیں ہم چھوڑ نہیں سکتے)۔)

"اِنَّ الَّـذِيْنَ يَشْتَـرُوْنَ بِعَهْدِ اللّـٰهِ وَاَيْمَانِـهِـمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَـهُـمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُـمُ اللّـٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْـهِـمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّـيْـهِـمْ ۖ وَلَـهُـمْ عَذَابٌ اَلِـيْـمٌ"[12]

(بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کا تھوڑی سے قیمت کے عوض سودا کر دیتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ قیامت کے دن اللہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ ہی ان کی طرف نگاہ فرمائے گا اور نہ انہیں پاکیزگی دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔)

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدوں کو کسی بہانے سے توڑ دیتے ہیں، ان کے لئے آخرت میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔اس آیت میں بھی "لفظ خلاق" اخلاق اور حسن خُلق کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اگر ان تمام مشتقات اور سیرت کے تمام مشتقات کو ایک جگہ جمع کر کے غور و خوض کیا جائے تو اخلاق اور سیرت میں کوئی فرق نہیں ہے اخلاق وہی ہے جو سیرت ہے اور سیرت وہی ہے جو اخلاق ہے۔

اخلاق از روئے حدیث

ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی طرف سے آپ کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کی یارسول اللہ دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "اچھے اخلاق" پھر وہ آپ کی داہنی جانب سے آیا اور عرض کیا یارسول اللہ دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "اچھے اخلاق" پھر وہ آپ کی بائیں طرف سے آیا اور عرض کیا دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "اچھے اخلاق "پھر وہ پیچھے کی طرف سے آیا اور عرض کیا یارسول اللہ دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "اچھے اخلاق" پھر آپ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "کیا تو اسے نہیں سمجھا اس کا مطلب یہ ہے کہ تو غصہ نہ کھائے۔[13]

حضور نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر اخلاق کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"عن ابی ھریرہ قال سئل رسول اللہ ﷺ عن اکثر مایلج بہ الناس الجنۃ قال: تقوٰی اللہ و حسن الخلق و سئل عن اکثر ماید خل الناس فقال: الفم والفرج"[14]

(حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا وہ کون سے اعمال ہیں جن کی بدولت اکثر لوگ جنت میں داخل ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تقوٰی اور حسن اخلاق پھر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کن چیزوں کی بدولت لوگ زیادہ دوزخ میں جائیں گے؟ حضور ﷺ نے جواب دیا منہ اور شرمگاہ کی وجہ سے۔)

حضرت عبد اللہ بن مبارک نے حُسن خُلق کی تشریح میں فرمایا:"انہ وصف حسن الخلق فقال: ھو بسط الوجہ و بذل المعروف وکف الاذی"[15]

(حُسن خُلق سے مراد یہ ہے کہ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا جائے نیک کام کیے جائیں اور لوگوں کو اذیت نہ پہنچائی جائے۔)

حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ کو جب کسی علاقے میں گورنر بنا کر بھیجا تو۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابی کو اخلاق حسنہ کا چارٹر دیکر بھیجا جو کہ درج ذیل حضور ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو، عہد و پیمان کو پورا کرو، امانت ادا کرو خیانت چھوڑ دو پڑوسیوں کی حفاظت کرو یتیم پر رحم کرو نرم گفتگو کرو سلام کو پھیلاؤ اچھے کام کرو امید میں کم رکھو حساب سے ڈرو تواضع کرو کسی شریف اور بردبار آدمی کو گالی دینے یا سچے انسان کو جھٹلانے سے پرہیز کرو کسی گنہگار سے کوئی توقع نہ رکھو انصاف پسند حاکم کی نافرمانی نہ کرو زمین میں فتنہ وفساد نہ پھیلاؤ۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر پتھر درخت یا مٹی پر سے گزرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرو ہر گناہ پر توبہ کرو اگر گناہ پوشیدہ ہو تو پوشیدہ اور اگر اعلانیہ ہو تو اعلانیہ توبہ کرو۔ حضرت معاذؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اسلام شریفانہ اخلاق اور عمدہ آداب سے گھرا ہوا ہے۔

"عن ابی الدرداء قال سمعت رسول اللہ ﷺ مامن شئی اثقل فی میزان المومن یوم القیامۃ من حسن الخُلق"(16)

(حضرت ابوالدرداء پہلے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی چیز جو حساب کے ترازو میں رکھی جائے گی حسن اخلاق سے زیادہ بھاری نہیں ہوگی۔)

آقا ﷺ کی تعلیمات کے اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے جس پہلو پر بھی نظر ڈالی جائے وہ پہلو اخلاق کی اعلیٰ مثال نظر آتا ہے۔ اور تاجدار کائنات ﷺ نے اپنی تعلیمات میں بھی جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا اس کا تعلق اخلاقی تعلیمات منسلک ہوتا ہے۔ اس پتہ چلتا ہے معاشرے ہو یا قوم ان کی تعمیر و ترقی، عروج و ارتقاء میں سب بڑھ کر اخلاق کی اہمیت رہی ہے۔ جس قوم کے اخلاق درست نہ ہوں یا جس میں اخلاقی گراوٹ آجائے تو وہ قوم زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ مولانا روم کی اپنی مایہ ناز تصنیف میں کئی مقامات پر حسن اخلاق کی تعلیمات نظر آتی ہیں۔ آپ نے اخلاق کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے حکایت کے ذریعے بات کو سمجھاتے ہیں۔

انگور کے معاملے میں چار مسافر کا جھگڑا

مولانا روم ایک حکایت میں ذکر کرتے ہیں کہ

"ایک دفعہ چار مسافر ایک فارسی، ایک ترکی، ایک عربی اور ایک یونانی سفر کر رہے تھے۔ انہیں سخت بھوک لگی۔ جب انہیں پتا چلا کہ ان کے پاس صرف ایک ہی سکّہ ہے تو ان کے درمیان بحث چھڑ گئی کہ اسے کیسے خرچ کیا جائے۔ ہر کوئی انگور خریدنا چاہتا تھا لیکن ہر کوئی اپنی

زبان میں اس پھل کا نام لیتا رہا، جس سے اختلاف پیدا ہوا۔ ایرانی نے کہا: ہم نے انگور لینے ہیں، عربی بولا: نہیں عنب لینے ہیں، ترک بولا: نہیں اوزم لینے ہیں، رومی بولا: نہیں استافیل لینے ہیں، وہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ ایک ماہر لسانیات وہاں سے گزر رہا تھا اور اس نے انکی بحث سنی۔ وہ سب کی زبانیں جانتا تھا وہ انکا مسلہ سمجھ گیا اور اس نے ان آدمیوں سے کہا کہ اسے یہ سکّہ دے دیں، تاکہ وہ ان سب کی خواہشات پوری کر سکے- سکّہ لے کر وہ زبان دان قریبی پھل کی دکان پر گیا۔ وہاں سے انگور کے چار گچھے خریدے اور ہر ایک آدمی کو ایک ایک گچھا دے دیا۔ اور پھر ان چاروں کو اس بات کا احساس ہوا کہ وہ سب ایک ہی چیز کے لئے بحث کر رہے تھے- لیکن زبان کے فرق کی وجہ سے اپنی بات کا اظہار صحیح طور سے نہ کر پائے۔ شیخ کامل حقیقت سے واقف ہوتا ہے۔ اس کی بات موجب اتحاد ہوتی ہے وہ مریدوں کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے۔"(17)

اخلاقی سبق

رومی کہنا چاہتے ہیں کہ انسان میں ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے کشادگی اور انکساری ہونی چاہیے- وہ عالمانہ خود پسندی کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں جو جمود کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے بجائے یہ عظیم بزرگ، اپنے پیروکاروں کو لوگوں کے درمیان اشتراک عمل تلاش کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ رومی کے مطابق ایسے منفی خیالات، جو کہ نفرت، لالچ اور تشدد وغیرہ کی طرف لے جاتے ہیں اور اپنے اصل تک پہنچنے کی انسانی صلاحیت کی راہ میں رکاوٹ ہیں- چناچہ، منفی خیالات کو، جنہیں انسانی قلب کی تاریکی بھی سمجھا جاتا ہے، مٹا دینے کی ضرورت ہے تاکہ انسانی زندگی کے اصل معنی کو سمجھا جاسکے۔ آج کل، بہت سے مسلم معاشرے مثلاً پاکستان کو فرقہ واریت اور تشدد کے نام پر ایسے ہی کڑے چیلینجوں کا سامنا ہے- کبھی کبھی یہ جھگڑے، مذہب کی الگ الگ ترجمانی کا نتیجہ ہوتے ہیں- یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر اوقات مخالف نظریات کو کم ہی قبول اور برداشت کیا جاتا ہے- چناچہ معاشرہ تشدد اور جھگڑوں کی گرفت میں آجاتا ہے- ایسی صورتحال میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ایسے ادب کا مطالعہ کیا جائے جو معاشرے میں امن و آشتی کو فروغ دے- اس حوالے سے رومی کی شاعری، تشدد اور فرقہ واریت جیسے چیلینجوں کے جواب میں برمحل اور پر اثر ثابت ہو سکتی ہے۔ رومی کے خیالات مختلف وجوہات کی بنا پر اہم ہیں- اول تو وہ محبّت کی بنیاد پر انسانی تعلقات کو مضبوط بناتے ہیں- دوسرے یہ قلبی اور بین المذہبی عقائد کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں- تیسرے یہ کہ اس خیال کے تحت کہ تمام انسانوں کا مخرج ایک ہی ہے، یعنی

خدا، لہٰذا انسانیت کو عزت و وقار کا احساس دلاتے ہیں- مزید یہ کہ ان کے خیالات، انسانی مساوات کے تصور کو تقویت بخشتے ہیں- ہمارے معاشرے میں، رومی کے خیالات کے فروغ کے لئے کئی سطحوں پر شعوری جدوجہد کی ضرورت ہے- مثال کے طور پر میڈیا کو، ایک پر اثر معاشرتی ادارے کی حیثیت سے، ایسے پروگرام تیار کرنے کی ضرورت ہے جو ممتاز عالموں کی ایسی مختلف تحریروں کو سامنے لائے جو امن و آشتی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ دنیا سے فتنہ فساد رفع ہونے کی صورت یہی ہے کہ اہل اللہ جو کہ کامل مردانِ حق ہیں ان کی طرف رجوع کیا جائے، ان کی تعلیم و تربیت سے اخلاقِ عامہ درست ہو جائیں گے اور لوگوں میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو جائے گا۔

حضرت سلیمانؑ اور پرندے

ایک روز حضرت سلیمانؑ نے سارے پرندوں کو حکم دیا کہ میرے دربار میں حاضر ہو کر اپنا اپنا کمال بیان کرے ہر پرندہ بتائے کہ اس میں کیا کمال ہے چنانچہ سب پرندے حاضر ہوئے مور، کبوتر، ہُدہُد اور کوّا وغیرہ ہر پرندہ حاضر ہو گیا سب اپنا اپنا کمال بیان کرنے لگے ہُدہُد کی باری آئی تو اس نے کہا حضور! مجھے یہ کمال حاصل ہے کہ چاہے کتنا اونچا اڑتا ہوں اور زمین سے کتنی ہی دور ہو جاؤں میری نظر اتنی تیز ہے کہ میلوں دور اوپر سے میں زمین کے ذرّے ذرّے کو دیکھ لیتا ہوں نہ صرف یہ کہ سطح زمین کی ہر چیز کو دیکھ لیتا ہوں، بلکہ زمین کے اندر جہاں کہیں پانی ہو وہ بھی دیکھ لیتا ہوں اور پھر حضور اس پانی کا ذائقہ بھی معلوم کر لیتا ہوں کہ کڑوا ہے یا میٹھا۔ حضور! آپ مجھے اپنے ساتھ رکھا کیجئے، آپ اپنے تخت پر تشریف فرما ہو کر ہوا پر سیر فرماتے ہوئے جہاں بھی جائیں مجھے ساتھ رکھیں میں زمین پر نگاہ رکھا کروں گا جہاں بھی زمین کے اندر میٹھا پانی نظر آیا کرے گا میں بتا دیا کروں گا آپ اپنا تخت وہاں اتار کر اپنا دربار لگا لیا کیجئے سلیمان علیہ السلام اس کا یہ کمال سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا ہم نے تمہیں اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دی۔ کوّا ہُدہُد کا یہ کمال اور اس کی عزّت افزائی سن کر حسد کے مارے جل بُھن گیا۔ اور کہنے لگا حضور! ایک میری عرض بھی سن لیجئے۔ ہُدہُد نے بالکل جھوٹ بولا ہے اس میں ہرگز یہ کمال نہیں جو اس نے بیان کیا اتنی دور آسمان پر اڑتے ہوئے اگر یہ زمین کی سطح کی چیزیں بلکہ زمین کے اندر کی چیزیں بھی دیکھ سکتا ہوتا تو شکاری کے جال میں کبھی نہ پھنستا، جال کے اندر جو دانہ پڑا ہوتا ہے اس کو کھانے کے لئے کود پڑتا ہے اور جال اسے نظر ہی نہیں آتا اگر اتنا ہی باکمال ہوتا تو اسے دانے کے ساتھ جال بھی نظر آ جایا کرتا۔[(18)]

سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد سے فرمایا!

"سنا کوّے کا اعتراض؟ تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ ہُد ہُد نے کہا حضور! یہ حاسد ہے اور حسد میں میرے کمال کا انکار کر رہا ہے۔ آپ میرا امتحان لے لیجئے میں نے جو کچھ کہا ہے اگر صحیح نہ ہو تو ابھی میرا سر تن سے جدا کر دیجئے۔ حضور! نظر تو میری واقعی تیز ہے لیکن جب اس پر قضا کا پردہ پڑ جاتا ہے تو مجھے جال نظر نہیں آتا اس حاسد کو میرے کمال پر اعتراض کرنا تو سوجھا لیکن اسے تقدیر و قضا کی حقیقت نہ سوجھی۔"(19)

اخلاقی سبق

رومی یہاں ایک بہت ہی خوبصورت انداز میں انسان کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر اس کو حسد کی نگاہ سے نہ دیکھو کہ وہ چیز اس سے چھن کر تمہارے پاس آجائے بلکہ رشک کی نظر سے دیکھو کہ اللہ تمہے بھی ایسی نعمت سے نوازے کیونکہ حسد انسان کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ سوکھی لکڑی کو لہذا ایک دوسرے سے حسد کرنے سے بچو پھر رومیؒ قضا و قدر کے متعلق شعور دیتے ہیں کہ تقدیر و قضا میں جو لکھا ہو وہ بہر حال ہو کے رہتا ہے انسان لاکھ تدبیریں کرتا ہے۔ اور ان میں وہ کامیابی بھی حاصل کرتا ہے لیکن بعض اوقات ساری تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں اور کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ رومی انسان کو یہ درس دینا چاہتے ہیں کہ عقل و تدبیر سے ضرور کام لینا چاہیے لیکن خدا تعالیٰ کو کسی صورت بھولنا نہیں چاہئے جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے جس کے قبضہ قدرت میں ہماری جانیں ہیں ہزار تدابیر کے باوجود بھی بعض اوقات نتیجہ جو الٹا نکلتا ہے یہ انسان کے لئے ایک تنبیہ ہے کہ تم اپنی عقل و تدبیر ہی پر بھروسہ نہ رکھنا یہ عقل و تدبیر اور سوچنے کی صلاحیت بھی تمہیں اس ذات نے دی ہے جس نے تمہیں بنایا ہے ایک طاقت ایسی بھی ہے جو تمہاری تمام تدابیر کے ہوتے ہوئے بھی تمہیں کامیاب نہیں ہونے دیتی اور وہ خدا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور نظارہ حسن

حضرت یوسفؑ تخت مصر پر فروکش تھے ایک دن آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جو آپ کا بچپن کا ساتھی تھا۔ حضرت یوسفؑ نے تعظیم و توقیر کے بعد اس سے پوچھا کہ تم اتنی دور سے مجھے ملنے کے لئے آئے ہو بتاؤ میرے لئے کیا تحفہ لے کر آئے ہو؟ کیونکہ دوستوں کے ہاں خالی ہاتھ آنا مناسب نہیں ہوتا۔ دوست نے جواب دیا حضور میں خالی ہاتھ نہیں آیا تحفہ لے کر آیا ہوں۔ "تو لاؤ پھر"! کون سا تحفہ ہے؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تو مہمان نے کہا کہ

"میں نے بہت سوچا کہ آپ کی شایان شان تحفہ لاؤں لیکن دنیا کی کوئی چیز مجھے پسند نہ آئی۔

سونا کان کے آگے اور قطرہ دریا کے سامنے کیا وقعت رکھتا ہے؟ بڑی سوچ بچار کے بعد ایک چیز لے کر آیا ہوں اور وہ آئینہ ہے۔ اس نے پہلو سے آئینہ نکالا دلبروں کا ایک یہی تو مشغلہ ہوتا ہے مہمان نے کہا حضور آئینہ کا انتخاب اس لئے کیا ہے اس میں آپکو آپ نظر آئیں گے اور آپ سے بڑھ کر دنیا کا کون سا تحفہ ہو سکتا ہے؟ حضرت یوسفؑ نے اپنے دوست کے اس تحفہ پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور تحفہ قبول فرمالیا۔"(20)

اخلاقی سبق

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کے اخلاق و اوصاف کو اپناؤ وہ کریم ہے تم بھی کرم سے کام لیا کرو۔ وہ ستّار ہے تم بھی دوسروں کی عیب پوشی کیا کرو وہ غفور ہے تم بھی عفو سے کام لیا کرو۔ وہ عادل ہے تم بھی انصاف سے کام لیا، وہ رزّاق ہے تم بھی غریبوں، مسکینوں کو کھانا کھلایا کرو۔ الغرض خدا تعالیٰ کے اوصاف اپنانے سے ایک سچے مسلمان کا دل مثل آئینہ کے صاف و شفاف ہو جاتا ہے اور وہ خدا کے اوصاف کا مظہر بن جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا رومی فرماتے ہیں!

حق تعالیٰ خلق را گوید بحشر ارمغاں کو از برائے روز نشر

ہیں چہ آوردید دستاویز را ارمغانِ روزِ رستا خیز را(21)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مخلوق سے فرمائے گا کہ قیامت کے دن کے لئے کون سا تحفہ لے کر آئے ہو؟ تو مسلمان جواب دے گا کہ الٰہی میں کون ہوں جو تیری شان کے لائق تحفہ لاتا یہ میرے دل کا آئینہ قبول فرما اس میں تیرے محبوب کی تعظیم سے میں نے تیرے ہی اوصاف کی جھلک پیدا کر لی ہے اس سے بڑھ کر تیری شان کے لائق مجھ عاجز بندے کے پاس اور کیا تحفہ ہو سکتا ہے۔ یعنی انسان کو فضائلِ اخلاق کے ذریعے اپنے اندر کو اور دل کے آئینے کو صاف اور شفاف رکھنا چاہیے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب انسان رذائل اخلاق سے دور رہے گا ان سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

دوسروں کے لئے دعا کو ہاتھ اٹھانا

ایک دفعہ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا کہ اے موسیٰ! مجھ سے جب بھی دعا مانگی جائے اُس منہ سے مانگنی چاہیے جس سے کبھی ناجائز بات نہ نکلی ہو۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کی الٰہی! ایسا منہ کہاں سے لائے انسان تو خطأ کا پتلا ہے اس کے منہ سے کبھی نہ کبھی ناجائز بات نکل ہی جاتی ہے خدا نے فرمایا اپنے لئے دوسروں کا منہ حاصل کرنا چاہیے کیونکہ ایک انسان دوسرے کے منہ سے کوئی گناہ کی

بات نہیں کرتا یعنی انسان کی اپنی زبان اس کے لئے ناپاک ہو سکتی ہے لیکن دوسروں کے لئے نہیں انسان کی اپنی زبان سے دوسروں کے لئے نکلی ہوئی دعا جلد قبول ہوتی ہے اور اس کے صدقے سے اللہ تعالیٰ اسے بھی اس چیز سے نواز دیتا ہے جو وہ دوسروں کے لئے مانگتا ہے۔اسی لیے اللہ عز و جل نے فرمایا کہ ایک کے منہ سے دوسرے کے لئے نکلی ہوئی دعا میری بارگاہ میں شرف قبولیت پاتی ہے۔

اخلاقی سبق

انسان کو مخلوق خدا سے ایسا اچھا سلوک کرنا چاہئے کہ سب اس کے لئے دعا کریں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''خير النَّاسِ مَنْ يَّنفَعُ النَّاسَ''[22]

(سب سے چھا انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کو نفع پہنچائے۔)

ظاہر ہے کہ ایسے انسان کے لئے سب انسان دعا ہی کریں گے۔اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر انسان کو اپنا ہی منہ پاک وصاف رکھنا چاہیے ذکر حق کے پانی سے اسے ہر وقت دھوتا رہے۔ مولانا رومی ہی فرماتے ہیں!

چوں بر آید بام پاک اندرو ہاں — نہ پلیدی باندو نہ آں وہاں!
تو دہانِ خویشتن را پاک کن — روحِ خود راچابک و چالاک کن
گر ندا ری تو دم خوش در دعا — رود عامی خواہ زاخوانِ صفا[23]

جب اللہ کا نام زبان پر آجاتا ہے نہ پہلا منہ رہتا ہے نہ کوئی پلیدی۔ تو اپنے منہ کو پاک کر اپنی روح کو چالاک اور ہوشیار کر اگر تو دعا کا سلیقہ نہیں رکھتا تو جا! اللہ والوں سے دعا طلب کر۔

افسوس کہ آج کل نہ ہی دوسروں سے اچھا سلوک کیا جاتا ہے تا کہ دوسروں کے منہ سے دعا نکلے اور نہ ہی اپنے منہ سے ذکر حق کیا جاتا ہے تا کہ اپنا ہی منہ دعا کے قابل بن سکے بلکہ ذکر حق کی بجائے اس منہ سے وہ کوئی لغویات، گالیاں بکنے اور فحش غزلیں گانے کا کام لیتا رہے۔ جو گلاس دودھ پینے کے لئے ہو اس میں اگر کوئی پیشاب کر دے تو وہ جوتے کھائے گا ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ منہ یہ زبان ذکر حق کے دودھ کے لئے بنائی ہے اس منہ سے گالیاں بکنا اور فحش گانے گانا ایسا ہی ہے جیسے دودھ کے برتن میں پیشاب کر دینا پھر کیا ایسے منہ سے نکلی ہوئی دعا قبول ہو گی؟

قیاس کا ترازو

مولانا روم ایک حکایت میں فرماتے ہیں:

حضرت علیؓ ایک دن بالا خانہ میں تشریف فرما تھے۔ نیچے سے ایک یہودی نے آپؓ کی طرف دیکھا تو کہنے لگا کیا آپؓ کو اس کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ حفاظت کا ذمہ دار ہے، اور کیا آپ کو حق تعالیٰ کی حفاظت پر اعتماد ہے؟

آپؓ نے فرمایا! "ہاں وہ خالقِ حقیقی بچپن سے لے کر آخر تک انسان کا محافظ ہے۔" یہودی نے کہا اگر واقعی آپؓ کو اس بات کا یقین ہے تو آپؓ خود کو بالا خانہ سے نیچے گرا دیں، تاکہ مجھے بھی معلوم ہو جائے کہ خدا آپؓ کی کیسے حفاظت کرتا ہے۔ پھر میں بھی آپؓ کا ہم عقیدہ ہو جاؤں گا۔ آپؓ کی یہ عملی دلیل میرے حسنِ اعتقاد کا سبب بن جائے گی۔ حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا! "کب بندہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ خدا کی آزمائش اور امتحان کی جرأت کرے۔۔۔۔۔ اے احمق نالائق! بندے کی کیا ہمت کہ وہ حق تعالیٰ کا امتحان لے۔ یہ بات تو صرف حق تعالیٰ ہی کو زیب دیتی ہے کہ وہ اپنے بندے کا امتحان لے تاکہ ہم اپنی حقیقت سے آگاہ رہیں اور اس کے عالم الغیب ہونے کے بارے میں ہمارا عقیدہ پختہ رہے۔

گر بیاید ذرہ سنجد کوہ را بر درد زاں کہ ترازوش فتی (24)

اگر پہاڑ کے دامن میں ایک ذرہ پہاڑ کی بلندی کو دیکھ کر کہے کہ اچھا میں تجھے وزن کروں گا کہ تو کس قدر طول و عرض اور وزن والا ہے تو اس بے وقوف ذرے کو سوچنا چاہیئے کہ جب اپنی ترازو پر پہاڑ کو رکھے گا تو وہ وہیں پھٹ جائے گی اس وقت نہ یہ ذرہ باقی رہے گا نہ اس کی ترازو سلامت رہے گی۔۔ تو وزن کا خیال محض احمقانہ ہو گا۔" ایسے احمق اپنے قیاس کے ترازو پر ناز کرتے ہیں اور اللہ والوں کو اپنے احمقانہ خیالی ترازو میں تولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب اللہ والوں کا بلند مقام ان بے وقوفوں کے ترازو میں نہیں سماتا تو خدا ان کی گستاخی کی نحوست اور شامت کے سبب ان کے ترازو ہی کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اور پھر یہ کم ظرف لوگ حماقت در حماقت میں مبتلا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ (25)

مولانا روم نصیحت فرماتے ہیں کہ اگر اس قسم کے امتحان کا وسوسہ بھی آئے تو اس کو اپنی بد بختی اور ہلاکت کی علامت سمجھو اور پھر فوراً یہ تدبیر کرنی چاہیئے کہ فوراً سجدہ میں گر جاؤ اور گریہ وزاری میں مشغول ہو کر خدا سے پناہ مانگو کہ اے رب غفور الرحیم مجھے ایسے فاسد گمان و خیال سے خلاصی و رہائی اور معافی عطا فرما۔

اخلاقی سبق

انسانی ذات محدود ہے اور خدا لا محدود اگر محدود یعنی انسان اگر لا محدود کا امتحان لینے کی کوشش کرے تو اسے حماقت اور بے وقوفی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ خدائی حقیقت انسانی عقل سے بہت بلند ہے، اتنی بلند کی اسے بیان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا انسان کو اپنے کردار میں عاجزی اختیار کرنی چاہئے کچھ جانتے ہوئے بھی خود کو طالب علم ہی رکھنا چاہئے کیونکہ انسان کا علم کامل نہیں ہو سکتا اس کو ہر لمحہ مزید علم و شعور کی طلب رہتی ہے۔ عاجزی و انکساری سے انسان کے اخلاق و کردار میں بہت حسن پیدا ہو جاتا ہے جو اس کی فطرت اور زبان سے جھلکتا ہے۔

قرض خواہوں کے لئے قرض کا حلوہ منگوانا

سخاوت کے متعلق ایک حکایت میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک معروف صوفی شیخ احمدؒ اپنی سخاوت کی وجہ سے ہمیشہ قرض دار رہتے۔ وہ مالدار سے قرض لیتے اور فقیروں پر خرچ کر دیتے۔ خدا کے عاشقوں کی خدمت ان کا کام تھا۔ اللہ ان کا قرض کہیں نہ کہیں سے اتار دیتا۔

وفات کے دن تک شیخ اپنا کام کرتے رہے، موت کا وقت قریب آ گیا تو قرض خواہ ان کے ارد گرد جمع ہو گئے وہ نا امید اور سخت غصے میں تھے۔ شیخؒ نے فرمایا کہ اِن بد گمانوں کو دیکھو کیا میرے اللہ کے پاس چار سو اشرفیاں نہیں ہیں؟ اتنے میں ایک حلوہ بیچنے والا لڑکا آیا۔ شیخ نے خادم کو اشارہ کیا کہ سارا حلوہ لے آؤ، وہ لے آیا تو شیخ نے اشارہ کیا تو سب حلوہ قرض خواہوں کو پیش کر دیا۔ طباق خالی ہو گیا تو لڑکے نے قیمت مانگی۔ تو وہاں پر موجود افراد نے کہا کہ شیخ کے پاس کچھ ہوتا تو ہمیں نہ ادا کر دیتے۔۔ یہ سن کر لڑکے نے آہ و زاری شروع کر دی اور شیخ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا تو بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ لڑکا کہتا تھا کہ میرا استاد مجھے مار ڈالے گا۔ قرض خواہ شیخ سے کہنے لگے کہ یہ کیا تماشا ہے۔ ہمارے ساتھ اس بچے کو بھی پھنسا لیا۔ روتے چلاّتے عصر کے وقت تک بچہ پریشان رہا، شیخ نے اپنا منہ لحاف میں چھپا لیا ان کو مخلوق کی بد مزاجی سے کوئی تعلق نہ تھا، جیسے چاند کو کتوں کے بھونکنے کا کیا خوف؟ تنکے کی وجہ سے پانی اپنی صفائی نہیں چھوڑتا۔

حضور ﷺ آدھی رات کو چاند شق کر رہے ہیں، ابو لہب اپنی بکواس کر رہا ہے۔ غرض نیک لوگ اپنی نیکی نہیں روکتے۔ عصر کی نماز ختم ہوئی تو ایک شخص ایک طباق لئے ہوئے آیا۔ کسی صاحب حال مالدار نے شیخ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا۔ طباق کھولا تو لوگوں نے بزرگ کی کرامت دیکھی اور

حیران ہو گئے۔ شیخ نے فرمایا! تمہاری سب گفتگو اور جھگڑا میں نے معاف کیا۔ اس کا راز یہ تھا کہ میں نے اللہ سے درخواست کی، اللہ نے فرمایا دیناروں کا بندوبست بچّے کے رونے پر موقوف ہے۔ بچہ درد سے رویا، بخشش کا دریا جوش میں آیا۔(26)

اخلاقی سبق

اپنے مقصد کا حصول دل کے رونے پر موقوف ہے۔ گڑ گڑائے بغیر کامیابی مشکل ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تیری مشکل حل ہو جائے تو اپنی آنکھ کے بچّے کو جسم کی ضرورت کے لئے رُلا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ و زاری مقبول ہے۔ بچہ کے رونے پر اللہ تعالیٰ نے سب قرض خواہوں کے قرض کا بندوبست کر دیا۔ رونا دل کی چوٹ کی وجہ سے ہونا چاہئے۔ اجرت والے نوحہ گروں کی طرح نہ ہو، مردانِ حق ہمیشہ مخلوق کی خدمت اور اطعام الطعام میں مصروف رہتے ہیں۔ فراخ دستی میں بھی اور تنگ دستی میں بھی "انفاق" کرتے ہیں۔

خوشنما اور قیمتی موتی

دربار شاہی لگا ہوا تھا سلطان محمود غزنوی تشریف لائے۔ تمام وزراء و امراء حاضر خدمت ہیں بادشاہ سلامت کے ہاتھ میں ایک موتی تھا اس نے وہ ہیر اوزیر دربار کو دکھا کر پوچھا! "اس موتی کی کیا قیمت ہو گی؟" وزیر نے اچھی طرح دیکھ بھال کے عرض کی حضور نہایت قیمتی چیز ہے غلام کی رائے میں ایک من سونے کے برابر اس کی مالیت ہو گی۔ "بہت خوب"! ہمارا اندازہ بھی یہی تھا سلطان نے حکم دیا اسے توڑ ڈالو۔ وزیر نے حیرت سے سلطان کی طرف دیکھا اور ہاتھ باندھ کر بولا "جہاں پناہ اس موتی کو کیسے توڑوں میں تو حضور کے مال و منال کا نگران اور خیر خواہ ہوں۔"

سلطان نے کہا! ہم آپ کی اس خیر خواہی سے خوش ہوئے۔۔۔ "تھوڑی دیر بعد سلطان نے وہی موتی نائب وزیر کو دیا اور اس کی قیمت دریافت کی، وزیر نے عرض کیا" حضور عاجز ہوں اس کی قیمت کا اندازہ کرنے سے "۔ حکم دیا اچھا!! اسے توڑ دو" وہ عرض کرنے لگا "قبلۂ عالم! ایسے بیش بہا قیمتی موتی کو کیوں تڑوانا چاہتے ہیں جس کا ثانی ملنا محال ہے۔ ذرا اس کی آب و تاب اور چمک تو ملاحظہ فرمائیے سورج کی روشنی اس کے سامنے ماند پڑ رہی ہے۔ میں شاہی خزانے کا نگہبان ہوں اسے توڑنے کی جرات کیسے کر سکتا ہوں۔ سلطان نے اس کی فہم و فراست کی تعریف فرمائی۔

پھر چند لمحوں کے بعد وہی موتی امیر الامراء کو دیا گیا اور کہا! اسے توڑ ڈالئے۔ اس نے بھی عذر پیش کر کے توڑنے سے معذرت کر لی۔ بادشاہ نے سب کو انعام و اکرام دیا اور ان کی وفا شعاری اور اخلاص کی تعریف کی۔ امیروں اور وزیروں نے ظاہر کیا کہ وہ دولتِ شاہی کے وفادار اور نگران ہیں۔ آزمائش اور امتحان کے لمحوں میں تقلید کرنے والا ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ سلطان نے تمام درباریوں اور خیر خواہانِ دولت کی آزمائش کر لی۔ آخر میں سلطان نے وہ موتی ایاز کو دیا اور فرمایا ایاز! اب تیری باری ہے بتا اس موتی کی کیا قیمت ہو گی؟

ایاز نے عرض کیا اے آقا! میرے ہر قیاس سے اس کی قیمت زیادہ ہے۔ اچھا ہمارا حکم ہے تُو اسے توڑ دے ایاز نے فوراً اس ہیرے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ وہ غلام آقا کے طریقِ امتحان سے آگاہ تھا اس لئے کسی دھوکے میں نہ آیا۔ موتی کا ٹوٹنا تھا کہ سب درباری کیا امیر کیا وزیر بُری طرح چلاّ اٹھے ارے بے وقوف تیری یہ جرات کہ ایسا نادر و نایاب موتی توڑ ڈالا ذرا خیال نہ کیا کہ کس قدر نقصان کیا ہے ان کا واویلا سن کر ایاز نے کہا: اے صاحبو ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر بولو موتی کی قیمت زیادہ ہے یا حکم شاہی کی؟ تمہاری نگاہ میں سلطانی حکم زیادہ وقعت رکھتا ہے یا یہ حقیر موتی، تم نے ہیرے کو دیکھا اس کی قیمت اور چمک کو دیکھا مگر اس حکم دینے والے کو نہ دیکھا وہ روح ناپاک اور بد خصلت ہے جو ایک حقیر پتھر کو نگاہ میں رکھے اور فرمانِ شاہی کو نظر انداز کر دے۔ جب ایاز نے یہ بھید سب کے سامنے کھولا تب تمام ارکان دولت و منصب کی آنکھیں کھلیں۔ ندامت اور ذلّت سے یہ حال تھا کہ کسی کی گردن اوپر نہیں اٹھتی تھی۔ سلطان کے سامنے یہ عذر پیش کرنا چاہا کہ وہ خیر خواہی مال میں شاہی فرمان کی اہمیت کو بھول گئے تھے۔ سلطان نے کہا!

معمولی پتھر کے مقابلے میں تم میرا حکم توڑنا زیادہ ضروری سمجھتے ہو غضب شاہی کو دیکھ کر ارکانِ دولت خوف سے تھر تھر کانپنے لگے۔ ایاز کو ان کی بے بسی پر رحم آیا، ہاتھ باندھ کر سلطان سے عرض کرنے لگا۔ اے آقا! اور اے معاف کر دینے والے، ان بدبختوں کی غفلت اور نادانی کا سبب محض تیرا اکرم اور صفت عفو کی زیادتی ہے۔ تیری مہربانیاں ہم پر غالب ہیں اور ہم ان کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں میری کیا حیثیت اور کیا حقیقت مگر اتنا عرض کرتا ہوں کہ ان مجرموں کے سر بھی تیری ہی دیوار سے لگے ہیں۔ بے شک یہ بازی ہار گئے، مگر اتنا تو ہوا کہ اپنی خطا اور جرم سے آگاہ ہوئے۔ اس لئے انہیں معاف کر دے۔ بادشاہ نے ایاز کی سفارش قبول کی اور سب کو معاف کر دیا۔[27]

اخلاقی سبق

ایاز مزاجِ شاہی کا رمز شناس تھا۔ اس نے ہیرے کی ظاہری چمک دمک سے آگے دیکھا اور حکمِ شاہی کو ہیرے پر ترجیح دی اسی سبب سے وہ مقرب ٹھہرا۔ وزراء اور امراء نے ہیرے کی ظاہری چمک دمک دیکھی وہ اس میں کھوگئے اور حکمِ شاہی کو نظر انداز کر دیا۔ اسی طرح انسان غفلت اور گمراہی میں پڑ کر خالق حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے جس کا نتیجہ ذلّت و خواری کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے انسان کو ہمیشہ اپنے شعور اور عقل کو بیدار رکھنا چاہیئے کسی بھی چیز کے ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس کے باطن کی حقیقت کو دیکھنا چاہیئے بلکہ صورت سے زیادہ اس کی سیرت کو دیکھنا چاہیئے کہ سیرت میں کتنا حسن ہے پھر اس شخص کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنی چاہیئے۔

رومیاں وچینیاں در صفت نقّاشی

چینی ماہرین نے کہا "تعمیرات میں نقش و نگار کے ہم ماہر ہیں" رومی ماہرین نے کہا "ہم زیادہ شان و شوکت والا نقش بناتے ہیں"۔ چینیوں کا دعویٰ تھا کہ ہم زیادہ جاہ و قلم ہیں، نقاشی میں ہماری کوئی نظیر نہیں۔" رومی کہنے لگے ہاتھ کی صفائی میں کوئی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سلطان وقت نے کہا کہ ہم دونوں کا امتحان کر لیتے ہیں کہ کس کو فن نقاشی میں برتری حاصل ہے۔ پھر یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ کون دعویٰ میں سچا ہے۔ چینیوں نے کہا "بہت بہتر ہم خوب محنت کریں گے۔ رومیوں نے کہا! ہم بھی اپنا کمال دکھانے میں اپنی جان لڑا دیں گے۔ اہل چین نے بادشاہ سے کہا! ہمیں ایک دیوار نقش و نگار کے لئے دے دی جائے اور اس کو پردے سے مخفی کر دیا جائے تاکہ اہل روم ہماری نقل نہ کر سکیں۔ اہل روم نے کہا ٹھیک اسی دیوار کے سامنے والی دیوار ہمیں دی جائے تاکہ ہم اس پر اپنے فن کا مظاہرہ کر سکیں۔ دیواروں کے درمیان پردہ حائل کر کے دونوں ماہرین کو کہا گیا کہ اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کریں۔ چینیوں نے مختلف رنگ و روغن کی آمیزش سے دلفریب نقش و نگار بنانے شروع کر دئے نقاشی کا ایسا بہترین اور بے نظیر کام کیا کہ وہ نقش و نگار والی دیوار پھولوں کا گلدستہ معلوم ہونے لگی۔ اہل روم نے بھی پردے کے اندر مخفی کام شروع کیا۔ انہوں نے کوئی نقش و نگار نہ بنائے اور نہ ہی کسی دلفریب رنگ و روغن کا استعمال کیا۔ دیوار کو میل کچیل سے صاف کر کے خوب صیقل اور صفائی کرتے رہے یہاں تک کہ پوری دیوار مثل آئینہ چمکنے لگی۔ چینی ماہر نقش و نگار میں جاں فشانی کرتے رہے انہوں نے طرح طرح کے مناظر بنائے۔ بوقت امتحان اور مقابلہ جب درمیان سے پردہ ہٹایا گیا تو اہل چین کے تمام نقش و نگار کا

عکس جب رومیوں کی صیقل شدہ دیوار پر پڑا تو چینیوں کے بنائے ہوئے سحر انگیز مناظر آئینے میں زیادہ خوبصورت نظر آنے لگے۔

بادشاہ آیا اور اس نے پہلے ان نقوش کو دیکھا جو اہل چین نے بنائے تھے۔ بادشاہ ان کے جوہر دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ پھر وہ رومیوں کی کاریگری کی طرف متوجہ ہوا۔ صیقل شدہ دیوار میں دلفریب منظر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ رومیوں کی دیوار نے ایسا دل آویز منظر پیش کیا کہ آنکھیں اس کو دیکھ کر سیر نہ ہوتیں تھیں، بادشاہ محو حیرت ہو گیا۔ بادشاہ نے وہاں جو دیکھا تھا یہاں اس سے بہتر نظر آیا، حتیٰ کہ کمال حسنِ نقاشی کی کشش سے آنکھیں حلقۂ چشم سے نکل پڑتی تھیں۔ مولانا روم نے یہاں رومیوں کی مثال سے صوفیوں کا مقام بیان فرمایا ہے کہ یہ حضرات دل کی صفائی کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور اسی کی برکت سے کتاب اور ہنر کے اخلاقِ حمیدہ سے منقش ہو جاتے ہیں، اور سینے کی صفائی کرنے سے حرص، بخل اور کینے سے پاک ہوتے ہیں۔ ''حسن آئینہ حق اور دل آئینہ حسن''

رفع زنگ سے وہی بات پیدا ہو جاتی ہے جو حسنِ رنگ نے پیدا کی تھی۔ صیقلی سے دل نہ صرف مظاہر آفاق کا آئینہ بن جاتا ہے بلکہ اس میں حقائق باطن بھی منعکس ہوتے ہیں جو حکمت آفاق سے ماورا نہیں۔(28)

اخلاقی درس

دل کی صفائی یعنی نیت کا صاف ہونا کامیابی کی ضمانت ہے۔ جس کی نیت صاف نہیں وہ صوفی عمل نیک کر رہا ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں کوئی اجر نہیں اس کے برعکس عمل بُرا ہے لیکن نیت صاف ہے تو اس کا بھی فائدہ نہیں۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ وہ عمل بھی نیک کرے اور اس عمل کے ساتھ ساتھ اس کی نیت بھی پاک ہونی چاہئے۔ جس کی نیت صاف ہے، پاکیزہ ہے وہی شخص کامیاب ہے اور ایک اچھا اور نیک انسان کے حسنِ اخلاق کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کا عمل اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی نیت بھی پاک ہو۔ حدیث مبارکہ ہے!

''إنَّماَ الأَعمَالُ بالنِّيات''(29)

(اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔)

ہمارے اکابرینِ سلسلہ نے تخلیہ پر زیادہ محنت کی ہے یعنی غیر اللہ سے صفائی کا زیادہ اہتمام کراتے ہیں پھر تحلیہ بہت آسان ہو جاتا ہے۔ یعنی اخلاقِ رذیلہ کی اصلاح کو اخلاقِ حمیدہ کی تحصیل سے مقدم فرماتے ہیں۔ چنانچہ پہلے ذِکر بتا دیتے ہیں اور عشق کی آگ سے غیر اللہ کو جلا کر خاک کر دیتے ہیں

پھر اللہ تعالیٰ کی محبت کی برکت سے ہر حکم پر عمل کرنا اور ہر گناہ کا چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے اور یہ سہل اور جلد کامیابی کا راستہ ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علیؓ کے چہرے پر دشمن کے تھوکنے کا واقعہ

امیر المؤمنین حضرت علی شیر خداؓ سے عمل کا اخلاص سیکھ، جہاد میں ایک مرتبہ اُنہوں نے ایک دشمن پہلوان پر قابو پالیا۔ انہوں نے تلوار نکالی اور قتل کرنے لگے تھے کہ اس نے حضرت علیؓ کے چہرے پر تھوک دیا۔ اُس چہرے پر تھوکا کہ جس کے سامنے چاند بھی سجدے میں جھکا ہوا ہے۔ ولیوں کے سردار حضرت علیؓ نے اپنے غصے کی آگ کو بجھا دیا۔ انہوں نے تلوار ڈال دی، کافر ان کے اس عمل کو دیکھ کے حیران رہ گیا۔ اس نے پوچھا: میں آپ کے قابو میں تھا پھر آپ نے کیا دیکھ لیا کہ آپ کا غصہ فرو ہو گیا کون سی ایسی شے آپ نے دیکھ لی کہ میری جان بخش دی۔

اے علیؓ! آپ نے جو کچھ دیکھا ہے اس میں سے کچھ بتا دو؟ آپ کی بُردباری کی تلوار نے مجھے قتل کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ خدائی رازوں میں سے ہے۔ آپؓ نے فرمایا! میرا تلوار چلانا صرف اللہ کے لئے ہے، میں اپنے جسم کا غلام نہیں ہوں، میں اسد اللہ ہوں، خواہش نفسانی کا شیر نہیں ہوں۔ غصہ بادشاہوں پر حکمران ہے لیکن میں نے اسے قابو کیا ہوا ہے۔ عشق الٰہی کے بغیر میرا کوئی پیش رو نہیں ہے۔ میرا مقصد بغض اللہ (اللہ کے لئے بغض) ہے۔ میرے کسی فعل میں میری ذاتی غرض نہیں ہے۔ میرے عمل کا اخلاص لوگوں کی دیکھا دیکھی نہیں،۔ جب تو نے میرے منہ پر تھوکا تو میرے نفس میں اشتعال پیدا ہوا تو میرا عمل آدھا جہاد اور آدھا میری نفسانی خواہشات میں بٹ گیا، لیکن اللہ کے کام میں شرکت نہیں ہے۔ تو مولیٰ کی مملوک ہے میری مخلوق نہیں ہے۔

کافر نے یہ بات سنی تو اُس کے دل میں ایک نور پیدا ہوا۔ اُس نے فوراً کفر سے توبہ کی اور بولا کہ میں نے آپؓ کو کچھ اور سمجھا تھا۔ آپ تو خدائی اخلاق کے ترازو کے کانٹا ہیں، اب میں اس شمع کا غلام ہوں جس نے آپ کے چراغ کو روشن کیا ہے اس طرح اس کے خاندان کے پچاس آدمیوں نے کلمہ توحید پڑھا حضرت علی شیر خداؓ کی بردباری کی تلوار نے لوگوں کو لوہے کی تلوار سی بچالیا۔(30)

اخلاق سبق

بردباری کی تلوار سینکڑوں لشکروں کو فتح کرنے والی ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں:

تیغ حِلم از تیغ آہن تیز تر بل زِصد لشکر ظفر انگیز تر

(بردباری کی تلوار، لوہے کی تلوار سے زیادہ تیز ہے بلکہ یہ سینکڑوں لشکروں سے زیادہ فتح کرنے والی ہے۔)

بندہ مؤمن کا ہر عمل لوجہ اللہ ہونا چاہیئے۔ بقول حضرت داتا گنج بخشؒ جس عمل میں نفسانی اغراض شامل ہو جائیں اس سے برکت اٹھ جاتی ہے۔

پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام صوفیہ کے حسن اخلاق سے زیادہ ہوئی۔ حملہ آور مسلمان سلاطین کی تلواروں نے یہاں کی گردنوں کو جھکایا لیکن صوفیہ کے اخلاق کی تلوار نے اہل ہند کے قلوب کو مسخر کر لیا۔ گویا اس بات سے مولانا روم نے یہ بھی درس دیا کہ زندگی کے ہر معاملے میں اللہ اور اس کے حبیب کی رضا کے لیے کام کیا جائے۔ ایک مسلمان کا کسی کے ساتھ جو بھی سلوک کرنا ہو اس میں رضا فقط اللہ کی ہو اپنے ذاتی مفاد کے لیے کبھی کسی سے مسلمان کو بدلہ نہیں لینا چاہئے اور دوسری بات یہ ہے مسلمان کا مزاج بردباری اور تحمل والا ہوتا ہے۔ یہ ہی تعلیمات مثنوی بھی ہے تعلیمات صوفیا اور قرآن وحدیث بھی ہے۔

اس حکایت سے اعمال میں اخلاص کا بہت بڑا سبق ملتا ہے جو کام کرے نیّت درست کر لے اگر اخلاص ہو تو دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کسبِ حلال کے لئے "لے امرود" "لے امرود" کہتا ہے اور نیت یہ ہے کہ اس سے بال بچوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق حلال روزی کماؤں گا اس پر اس کو ثواب مل رہا ہے اور اگر سبحان اللہ سبحان اللہ کہ رہا ہے اور نیت یہ ہے کہ اس سے لوگ اسے نیک بزرگ اور اللہ والا کہیں گے تو اس کا یہ کہنا بھی دنیا ہے دین نہیں ہے۔ لہٰذا اخلاص بہت ضروری ہے، اخلاص سیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ کسی اخلاص والے بندہ سے اخلاص سیکھا جائے اور یہ نعمت اللہ والوں کی صحبت سے ملتی ہے۔

خلاصۃ البحث

مثنوی معنوی علم و عرفان اور حکمت کا بحر ذخار ہے۔ آپ شعر و سخن کی لطافتوں کے رنگ میں تکمیل اخلاق اور معرفت و انجذاب کے چراغ روشن کر رہے ہیں۔ آپ نے نہ صرف فرد کی روحانی تربیت و پرداخت کی بلکہ ملّت کی تعمیر نو اور دینی فکر کے احیاء کا عظیم کارنامہ بھی بحسن وخوبی انجام دیا۔ مولائے رومؒ الٰہیات اور تصوّف سلوک کے لطیف مسائل سمجھانے کے لئے تمثیلات کو ذرائع ابلاغ بناتے ہیں اس طرح کہ تھوڑا سا ذوق رکھنے والا شخص بھی اپنے فہم کے مطابق انہیں سمجھ سکتا ہے۔ مولانا رومؒ کے استدلال اور تفہیم کا یہ تمثیلی انداز عوام کے مزاج کے موافق بھی ہوتا ہے اور خواص کی دلچسپی کا

باعث بھی۔ حکایت جسم کی طرح اور اس کا سبق روح کی طرح ہوتا ہے۔ مولائے رومؒ نے حکایت وقصص ایسے بیان کئے ہیں کہ انہیں پڑھتے ہوئے قاری زیرِ لب مسکرانے لگتا ہے اور قاری کو پتا اس وقت چلتا ہے جب مولانا اِس حکایت کے مخصوص نتیجہ اور اخلاقی سبق کی طرف التفا کرتے ہیں۔ مولانا کا یہی کمال ہے جس نے ان کی مثنوی کو بے مثال تاثیر اور ہر دل عزیزی بخشی ہے۔ مثنوی مولانا روم میں بیان کردہ کئی ایسی حکایت ہیں جن سے اخلاقی اقدار کو فروغ دیا گیا اور اگر یہ کہا جائے تو بجا نہ ہو گا کہ مثنوی کا بغور مطالعہ کی جائے تو اس کی اکثر حکایت کے بیان کرنے کا مقصد سیرت و کردار کی تعلیم دینا ہے۔ گویا اخلاق حسنہ کی اہمیت کا ندازہ اس بات سے لگائے کہ صوفیا کرام کی زندگیوں پر طائرانہ نگاہ ڈالی جو تمام پیکر علم و معرفت رضائے الٰہی، اور معرفت ربانی کا راز بھی اخلاق حسنہ کو قرار دیتے ہیں۔ آج ہمارے معاشرے میں اخلاقی اقدار ختم ہوتی جارہی ہیں۔ ہمیں پھر سے اپنی نسل نو کو اسلاف اور صلف صالحین کی تعلیمات سے آگاہ کرنا ہو گا۔ تاکہ معاشرتی پھر سے اپنا کھویا ہوا عروج حاصل کر سکے اور اسلاف کی روایات کا احیاء ہو سکے۔

سفارشات

رومی کے خیالات مختلف وجوہات کی بنا پر اہم ہیں- اول تو وہ محبّت کی بنیاد پر انسانی تعلقات کو مضبوط بناتے ہیں- دوسرے یہ قلبی اور بین المذہبی عقائد کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں- تیسرے یہ اس خیال کے تحت کہ تمام انسانوں کا مخرج ایک ہی ہے، یعنی خدا، لہٰذا انسانیت کو عزت و وقار کا احساس دلاتے ہیں- مزید یہ کہ ان کے خیالات، انسانی مساوات کے تصور کو تقویت بخشتے ہیں- ہمارے معاشرے میں، رومی کے خیالات کے فروغ کے لئے کئی سطحوں پر شعوری جدوجہد کی ضرورت ہے- مثال کے طور پر میڈیا کو، ایک پر اثر معاشرتی ادارے کی حیثیت سے، ایسے پروگرام تیار کرنے کی ضرورت ہے جو ممتاز عالموں کی ایسی مختلف تحریروں کو سامنے لائے جو امن و آشتی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں-

مثنوی کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اس کتاب کو اسکولوں، کالج، یونورسٹی اور جامعات کے نصاب کا حصہ بنانا چاہیے تاکہ طلبہ کے مزاج میں اخلاقیات کی رمق کے ساتھ ساتھ اسلاف کی رویات کا احیا بھی ہو سکے۔

مختصراً یہ کہ رومی کا کلام، انسان اور انسانیت کی قدر و قیمت کے حوالے سے متاثر کن تصورات پیش کرتا ہے- ان کے خیالات کو ہمارے معاشرے میں امن و آشتی پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جا

سکتا ہے- چناچہ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ایسے ادب کو فروغ دیا جائے جو کہ معاشروں اور لوگوں کے درمیان ہم آہنگی اور وابستگی کی وکالت کرتا ہے۔

مولانا روم کی مثنوی کے حوالے سے تعلیمی ادارہ جات میں رومی کانفرنس اور اس کے مختلف گوشوں پر مقالہ جات لکھوانے کی ضرورت ہے تا کہ افکار رومی سے ہماری نسل نو آگاہ ہو سکے۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ واسع، اختر، (۲۰۰۹)، جلال الدین رومی، دہلی، البلاغ پبلی کیشنز، ص:۱۳

2۔ نوری، نورالزمان (۲۰۲۱)، گلزار مثنوی، لاہور، پروگریسو بکس، ص:۱۵۸

3۔ نعمانی، شبلی، (۱۹۵۹)، سوانح مولاناروم، لاہور، سجاد پبلشرز ص:۴۸

4۔ امروہی، سید قاسم رضا، جامع نسیم الغات، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز، ۱۹۹۶ء ص۴۸

5۔ الیسوعی، لوئیس معلوف، المنجد (عربی، اردو) لغت، ادارہ تبلیغ دینیات جامع مسجد دہلی، ۱۹۹۴ء، ص۲۹۶

6۔ القادری، محمد طاہر، حسن اخلاق، منہاج القرآن پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۲۰ء، ص۱۳

7۔ ایضاً، ص۱۰

8۔ علی ہجویری، گنج بخش، کشف المحجوب، مترجم: محمد الطاف، کبیر ٹرسٹ، لاہور، ص۶۷

9۔ القادری، محمد طاہر، اسلامی تربیتی نصاب، منہاج القرآن پبلیشرز لاہور، ۲۰۰۱ء، ج:۲، ص۱۸۲

10۔ القادری، محمد طاہر، حسن اخلاق، منہاج القرآن پبلیشرز لاہور، ۲۰۲۰ء، ص۱۴

11۔ سورۃ الشعراء۲۶:۱۳۷

12۔ سورۃ آل عمران۳:۷۷

13۔ السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمٰن، الدر المنثور، ضیاء القرآن پبلیکیشنز کراچی، ۲۰۱۵ء ج۲، ص۷۵

14۔ احمد بن حنبل، المسند، رقم الحدیث:20108

15۔ ترمذی، احمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی حسن الخلق، رقم الحدیث:۲۰۰۵

16۔ ترمذی، احمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی حسن الخلق، 204:3، رقم الحدیث: ۲۰۰۲، ۲۰۰۳

17۔ رومی، جلال الدین، (۲۰۰۴)، مثنوی معنوی، (آر۔اے۔ نکلسن)، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ص: ۲۶۷

18۔ رومی، جلال الدین، (۲۰۰۴)، مثنوی معنوی، (آر۔اے۔ نکلسن)، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ص: ۸۴

19۔ رومی، جلال الدین، مثنوی معنوی، (آر۔اے۔ نکلسن)، ص:۸۴

20۔ رومی، جلال الدین، مثنوی معنوی، (آر۔اے۔ نکلسن)، ص:۱۹۹

21۔ رومی، جلال الدین، مثنوی معنوی، (آر۔اے۔ نکلسن)، ص:۱۹۹۵

22۔ ہندی، حسام الدین (۲۰۰۱)، کنزالعمال، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ج:۸، ص:۲۰۱

23۔ رومی، جلال الدین، مثنوی معنوی، (آر۔اے۔ نکلسن)، ص:۲۰۴
24۔ رومی، جلال الدین، مثنوی معنوی، (آر۔اے۔ نکلسن)، ص:۲۰۹
25۔ رومی، جلال الدین، مثنوی معنوی، (آر۔اے۔ نکلسن)، ص:۲۱۰
26۔ رومی، جلال الدین، مثنوی معنوی، (آر۔اے۔ نکلسن)، ص:۲۶۸
27۔ رومی، جلال الدین، مثنوی معنوی، (آر۔اے۔ نکلسن)، ص:۱۱۹
28۔ رومی، جلال الدین، مثنوی معنوی، (آر۔اے۔ نکلسن)، ص:۲۸۴
29۔ بخاری، محمد بن اسماعیل(۲۰۰۱)، الصحیح، بیروت، دار احیاالتراث العربی، رقم:۱
30۔ رومی، جلال الدین، مثنوی معنوی، (آر۔اے۔ نکلسن)، ص:۲۲۹